عبدالرحمٰن بن محمد بن الاشعث - ایک مطالعہ

از جناب محمود الحسن ایم - اے (علیگ)

عبدالرحمٰن، پہلی صدی ہجری میں ایک طاقت ور، متحرک اور ممتاز شخصیت کا انسان گذرا ہے - اس کی بے باک، مشکل پسند، اور بلا انگیز طبیعت اگر ناموافق حالات کا شکار نہ ہوتی تو بہت ممکن تھا وہ عبدالملک کے عظیم جنرلوں کی صف میں شامل ہو کر فتوحاتِ اموی کا دائرہ وسیع سے وسیع تر کرنے میں مدد دیتا کیوں کہ اس کی رگوں میں ملوکِ کندہ کا خون گردش بھی کر رہا تھا[1] جس کی وجہ سے وہ بڑا عالی حوصلہ اور صاحب کروفر انسان تھا۔

"محمد بن الاشعث کی کنیت ابوالقاسم تھی وہ حضرت عائشہؓ کے پاس آتے جاتے تھے وہ انھیں ابوالقاسم کہا کرتی تھیں انھوں نے حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ سے احادیث بھی روایت کی ہیں[2]" ابن الاثیر نے ابونعیم کی رائے نقل کی ہے کہ انھوں نے صحبتِ رسولؐ سے فیض نہیں اٹھایا تھا[3] مگر محمد کے باپ اشعث کے بارے میں محمد بن سعد لکھتے ہیں - یہ نبی اکرمؐ کے پاس ایک وفد میں آیا تھا پھر یمن لوٹ گیا - جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو اس نے اپنے ارتداد کا اعلان کر دیا - زیاد بن لبید البیاضی نے نجیر کے پاس اس کا محاصرہ کیا جس میں اس کو گرفتار کر لیا جب حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو معاف کر دیا اور اپنی بہن بھی اس کے عقد میں دی - جب اور لوگ عراق جانے لگے تو یہ بھی چلا گیا اور کوفہ کے پاس کندہ میں مکان بنوایا اور رہیں رہنے لگا جب اس کا انتقال ہوا اس وقت حضرت حسن زندہ تھے انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی، وکیع بن الجراح کا کہنا ہے کہ اشعث کے انتقال کے وقت اس کی لڑکی حضرت حسنؓ کے عقد میں

۱؎ Encyclopaedia of Islam Vol I. P 56

۲؎ طبقات ابن سعد — محمد بن سعد — جلد ۵ — ص ۲۶

۳؎ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ — لابن الاثیر — " ۴ — ص ۳۱۲

تھی، حضرت حسنؓ نے کہا جب انھیں غسل دے دو تو جب تک مجھ سے اجازت نہ لے لو اس وقت تک حرکت مت دو۔ تو لوگوں نے اطلاع دی نہ آئے اور حنوط سے وضو کرایا۔[۵۱] اس وقت یہ بات قابلِ ذکر ہے حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کے درمیان محاکمہ میں صلح کے شرائط پر حضرت کی جانب سے اشعث بن الکندی بھی ایک گواہ تھے۔[۵۲] نیز یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ارتداد سے توبہ کرنے کے بعد اشعث نے متعدد جنگوں میں سرگرم حصہ لیا چنانچہ یرموک، قادسیہ، مدائن، جلولار کے عظیم معرکوں میں اس کی شرکت ثابت ہے۔[۵۳]

عبدالرحمن کے باپ اور دادا کے بارے میں یہ معلومات اس کی شخصیت، رجحان اور سرگرمیوں کو سمجھنے میں پس منظر کا کام دیں گی۔ ان سے جہاں یہ پتہ چلے گا کہ اس کی ذہنی پرورش کس ماحول میں ہوئی وہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ حجاج اور عبدالملک کے خلاف بغاوت کرنے میں ان عوامل نے کیا رول ادا کیا ہے۔

عبدالرحمن کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تاریخ اور سیر کی کتابوں میں بہت منتشر اور ناکافی معلومات ملی ہیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق اس کے دادا نے کوفہ میں مکان تعمیر کرایا اور وہیں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ جیسا کہ متعدد روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مکان اس خاندان کا نیا مستقل رہائشی مکان تھا اس لئے یہ نتیجہ نکالنا کچھ بعید از قیاس نہیں کہ عبدالرحمن کی ابتدائی زندگی کا بیشتر حصہ کوفہ میں گذرا ہو۔ اس نے یہاں کی نئی مرکب سوسائٹی میں ہوش سنبھالا ہو جس کے ترکیبی اجزاء میں عرب و عجم، فارس و بابل کے پرانے تہذیبی و تمدنی عناصر مل رہے تھے۔

عبدالرحمن کے باپ کے بارے میں چند مزید واقعات کا تذکرہ اس اعتبار سے اہم اور

۵۱	طبقات ابن سعد	محمد بن سعد	جلد ۶	ص ۱۳-۱۴
۵۲	تاریخ طبری	طبری	,, ۶	ص ۳۰
۵۳	اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ	لابن الاثیر	,, ۱	ص ۹۸

ضروری ہوگا کہ ان سے وہ نتائج سامنے آئیں گے جو واقعات کی تہہ میں کارفرما تھے۔ یہ بات تو پہلے ہی مذکور ہو چکی ہے کہ حضرت حسنؓ کے ساتھ اس گھرانہ کی قرابت تھی اس کے ناتے محمد حضرت علیؓ کے گہرے ہمدرد اور معتمد علیہ تھے جنگ صفین میں اپنے باپ کے ساتھ کلیدی عہدے پر فائز تھے۔ ان کے باپ ہی کے مشورہ سے ابو موسیٰ الاشعری حضرت علیؓ کی طرف سے نمائندہ ہوئے تھے۔[1] اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت علیؓ کے دور میں یہ لوگ فوجی وانتظامی معاملات میں بااثر حیثیت کے مالک تھے۔ حضرت علیؓ کے فیصلوں پر ان کی آرار فیصلہ کن اثر ڈالتی تھیں۔ اس کے بعد جب حضرت حسنؓ کو خلیفہ تسلیم کیا گیا تو اس خاندان کی عملی ہمدردیاں ان کو حاصل تھیں، البتہ کتبِ تاریخ کے مطالعہ سے یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ حضرت حسنؓ کے معاہدۂ دستبرداری کے وقت ان کا کیا ردعمل ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ اس سیاسی تبدیلی سے وہ کافی متردد اور فکرمند ہوئے ہیں۔

محمد بن الاشعث کا آل بیت سے ہمدردی رکھنا بے بنیاد مفروضہ نہیں بلکہ اس کے ثبوت میں شواہد بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ جب امیر معاویہ کی جانب سے مغیرہ بن شعبہ کوفہ کے گورنر ہو کر آئے (۱۵ ھ) اور یہاں انھوں نے حضرت عثمانؓ کی تعریف اور حضرت علیؓ، اور ان کے حامیوں پر تنقید شروع کی تو اس سے کوفہ کے باشندوں کو تکلیف ہوئی۔ مغیرہ نے اپنی مدح وقدح کا سلسلہ دراز تر کر دیا اور کھلے بندوں حضرت علیؓ کو برا بھلا کہنے لگے اور اور حضرت عثمانؓ کی تعریف برملا ہونے لگی اس کا ردعمل یہ ہوا کہ جوابی کارروائی شروع ہو گئی اور دونوں گروپ کھل کر آمنے سامنے آ گئے حجر بن عدیؓ نے موافقت کی اس دوطرفہ کشمکش میں محمد بن الاشعث کے گھرانے کی خاموش حمایت حجر بن عدی کو حاصل تھی مگر سیاسی تبدیلیوں[2] کا ارتقا جس انداز پر ہو رہا تھا اس سے متاثر ہو کر یہ لوگ کھل کر حجر کی حمایت نہیں کرتے

---

[1] تاریخ طبری | طبری | ج ۶ | ص ۲۸
[2] " | " | " | ص ۱۴۳

تھے۔ لیکن اس کے باوجود زیاد کو محمد بن الاشعث کے طرزِ عمل پر شبہ تھا وہ سمجھتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا پوشیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حجر کا پیچھا کیا گیا اور اس کے گرفتار کرنے کی کوشش ہوئی، اور وہ بنو کندہ کے اندر روپوش تھا تو زیاد نے عاجز آ کر محمد بن الاشعث کو بلایا اور دھمکی دی کہ اگر حجر کو انھوں نے حوالہ نہیں کیا تو اس علاقہ کے درخت و مکانات سب تباہ کر دئے جائیں گے اور پھر بھی اس کا پتہ نہ چلا تو تمھارے جسم کی تکہ بوٹی کر دی جائے گی۔[1] محمد کو اس سے خاصی پریشانی ہوئی چنانچہ وہ حالات کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ انھوں نے مصلحت آمیز رویہ اختیار کر لیا بعد میں حجر کے ساتھ جو سلوک ہوا اس پر ان کی خاموشی موقع شناسی ہی سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ اس کا اشارہ ان طنزیہ اشعار میں موجود ہے جو عبیدۃ الکبری نے محمد بن الاشعث کو عار دلاتے ہوئے لکھا ہے ؎

اسلمت عمک لم تقاتل دونه — خوفاً ولولا انت کان منیعا

وقتلت واحد آل بیت محمد — وسلبت اسیافاً له ودروعا

لو کنت من اسد عرفت کرامتی — ورأیت لی بیت الحباب شفیعا[2]

(۱) تو نے اپنے چچا کو دشمنوں کو سونپ دیا، اس سے آگے بڑھ کر جنگ نہ کی ڈر کر۔ اور اگر تو نہ ہوتا تو وہ محفوظ رہتا۔

(۲) اور تو نے محمد کی اولاد کے گھرانے میں سے ایک کو مار ڈالا اور تو نے اس کی تلواریں اور زرہیں چھین لیں۔

(۳) اگر تو اسد (قبیلہ) کا ہوتا تو میری شرافت کو پہچانتا اور دوستوں کے گھرانے کو میرا سفارشی جانتا۔

یہ اشعار محمد بن الاشعث کے افکار اور اس کی سیاسی حکمت عملی پر روشنی ڈالتے ہیں۔

اموی خاندان کے بڑھتے ہوئے سیاسی و فوجی اقتدار نے خاندانِ اشعث کو بظاہر آل بیت سے علیحدہ کر دیا کیوں کہ وہ اب نئے سیاسی احوال سے اپنے کو ہم آہنگ کرنے کی

---

[1] تاریخ طبری طبری ج ۶ ص ۱۴۷

[2] " " " " ص ۱۶۰

فکر میں لگ گئے - محمد بن الاشعث نے حضرت امیر معاویہؓ کی خدمت میں آنا جانا شروع کر دیا اس طرح تعلقات نے نئی شکل اختیار کر لی - امیر معاویہؓ بھی ان کے حسب مرتبہ ان کا اعزاز کرتے تھے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تعلقات اعتماد پر مبنی نہ تھے - معاویہؓ کو ان کی طرف سے خدشہ رہتا تھا اس کا ہلکا سا اشارہ اس گفتگو میں ملتا ہے جو حضرت معاویہؓ نے احنفؓ کی موجودگی میں ان سے کیا تھا۔[لہ] اس سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے ان کی دلدہی میں ہر ممکن کوشش کی - یہی سلوک، ان کے لڑکے یزید اور اس کے گورنر زیاد نے روا رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ محمد بن الاشعث نے مسلم بن عقیل کے مسئلہ پر بھی عامل کوفہ کا ساتھ دیا اور ہانی کو اصرار کر کے زیاد کے پاس بھیجا - مزید یہ کہ مسلم کی جائے پناہ کی اطلاع زیاد کو انھوں نے دی اور جب معاملہ تصادم تک پہنچا تو ان کے بیٹے عبد الرحمن نے مسلم کا مقابلہ کیا بعد میں امان کی پیشکش کر کے زیاد کے پاس پہنچایا - مگر زیاد نے ان کی امان بخشی کو رد کر دیا اور مسلم کو قصر کی چوٹی پر قتل کر کے ان کی لاش زمین پر پھینک دی گئی - طبری کی ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسلم کا قاتل بکیر تھا اور انھیں امان دینے والے محمد کا بیٹا نہیں بلکہ وہ خود تھے۔ محمد بن الاشعث نے ایک روایت کے مطابق مسلم کا وہ پیغام حضرت حسینؓ تک پہنچوایا جو انھوں نے گرفتاری کے بعد انھیں بھیجا تھا - اس کے لئے اپنا گھوڑا اور زادِ راہ بھی مہیا کیا - امان کے بارے میں جب انھوں نے زیاد سے کہا تو اس نے جواب دیا کہ یہ اختیار تمھیں کب ہوتا ہے کہ تم امان دو - خیال ہوتا ہے کہ محمد کو یہ بات ناگوار گذری ہوگی - ان دونوں روایتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ باپ بیٹے دونوں اس تصادم میں شریک تھے اور دونوں نے اموی گورنر کا ساتھ دیا۔ لیکن حضرت حسینؓ کے حادثہ فاجعہ میں ان دونوں کے شمول کی شہادت، میری نظر سے نہیں گذری اس کا بہت امکان ہے کہ اس سیاسی انتشار و ابتلاء عظیم میں دونوں نے منفی غیر جانب داری کو وقت کا عین تقاضا سمجھا ہو - یہ بھی دلچسپ واقعہ ہے کہ محمد بن الاشعث کے بھائی قیس بن الاشعث

لہ تاریخ طبری ، طبری ، ذدل ۶ ص ۱۸۵

نے اموی فوجوں کا ساتھ دیا۔ اُن سے اور حضرت حسینؓ سے گفتگو ہوئی غالباً از راہِ خیر خواہی اس نے حضرت حسینؓ کو اطاعت کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن حالات اس نقطۂ عروج کو پہنچ چکے تھے کہ حضرت حسینؓ کا پیچھے ہٹنا ممکن نہیں رہ گیا تھا۔

اب خلافت کے دعویدار تین فریق تھے جو براہِ راست تین خاندانوں کی نمائندگی کر رہے تھے ہاشمی خاندان جس کی قیادت حضرت حسینؓ کے ہاتھ میں تھی، زبیری خاندان جس کے سرغنہ عبداللہ بن زبیر تھے، تیسرا فریق اموی خاندان تھا۔ اس کی سربراہی یزید کو حاصل تھی۔ حضرت معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید کو ان تین قوتوں سے سابقہ پڑا۔

حضرت حسینؓ کے ساتھ محمد بن الاشعث کا جو سلوک رہا وہ مصلحت، دور اندیشی کی کھلی مثال ہے اس کے بعد جب عبداللہ بن زبیر کا عراق و حجاز پر اقتدار ہوا اور خلافت بظاہر دو خاندانوں میں منقسم ہوتی نظر آئی تو محمد بن الاشعث نے اس موقع پر تقاضائے مصلحت یہی سمجھا کہ وہ زبیریوں کا ساتھ دے۔ یہ ابن زبیر کی طرف سے موصل کے حاکم بھی مقرر ہوئے[۵] مگر جب مختار کا مقرر شدہ عامل موصل پہنچا تو اس نے بغیر کسی مقابلہ کے موصل چھوڑ دیا اور تکریت چلا آیا۔ یہاں سے وہ مستقبل کے بارے میں غور و فکر کرنے لگا اور کسی حتمی تبدیلی اور پائدار صورتِ حال کا انتظار کرنے لگا۔ مختار کی جد و جہد جس کی بنیاد تہذیبی و سیاسی مفاد پر مبنی تھی، محمدؒ نے اس کا ساتھ دیا اس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مختار نے آلِ بیت کی مظلومی اور ان کی طرف سے انتقام کو اپنے مقصد کا ایک جزو بنا لیا تھا۔ محمد بن الاشعث اور مختار کے تعلقات زیادہ دنوں تک باقی نہ رہ سکے ان میں سخت اختلاف پیدا ہو گیا یہ اس حد تک پہنچا کہ مختار نے ایک فوجی دستہ بھیج کر اس کے گھر کا محاصرہ کرا لیا اور حکم دیا کہ اس کا سر کاٹ لائیں مگر وہ پہلے ہی بھانپ گیا تھا چنانچہ چھپ کر مصعب بن زبیر کے پاس چلا گیا[۲]۔ وہاں سے مصعب کی فوجوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوا۔

---

۵ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن الاثیر ج ۴ ص ۳۱۱-۳۱۲

۲ تاریخ طبری جریر الطبری ج ۷ ص ۱۳۰

مختار کو شکست ہوئی وہ قتل کر دیا گیا لیکن محمدؐ بھی نہ بچ سکا۔ ان کا بیٹا بھی اس جنگ میں شریک رہا اس نے قابلِ تعریف بہادرانہ کارنامے بھی انجام دئے۔ لیکن ایک بار پھر طاقت کا توازن بدلا۔ چنانچہ جب زبیریوں کی طاقت گھٹنی شروع ہوئی اور اموی فوجوں کے مسلسل فاتحانہ حملوں نے زبیریوں کے حامیوں کے دلوں میں اپنے مستقبل کے بارے میں اندیشے پیدا کر دئے تو عبدالرحمٰن نے بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی۔ وہ پہلی بار بشر بن مروان کے پنج ہزاری دستہ کا کمانڈر بن کر خارجیوں کے مقابلے پر روانہ ہوا۔

عبدالرحمٰن کو حجاج کی زیرِ نگرانی باقاعدہ کام کرنے کا موقع اس وقت ملا جب شبیب خارجی کے خلاف اس کو شش ہزارہ لشکر کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ وہ شبیب کا تعاقب کرتا رہا اور اس کی چالوں کا جواب ہوشمندی اور تدبر سے دیتا رہا اسی اثنار میں عید کا موقع آگیا شبیب نے اس وقت عارضی طور پر جنگ بند کرنے کی پیشکش کی جسے عبدالرحمٰن نے بخوشی منظور کر لیا اُس واقعہ کا علم جب عثمان بن قطن کو ہوا تو اس نے حجاج کو اس کی اطلاع پہنچا دی اس نے لکھا "میں آپ کو مطلع کرتا ہوں کہ عبدالرحمٰن نے تمام علاقہ جوخیٰ کھود کر ایک خندق میں تبدیل کر دیا ہے۔ شبیب کو چھوڑ دیا ہے مگر اس علاقہ کی مال گزاری اپنے مصرف میں استعمال کرتا ہے۔ باشندوں پر سخت مظالم کرتا ہے" اس خط کے جواب میں حجاج نے لکھا "عبدالرحمٰن کے بارے میں تم نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہی ہوگا میں اسے خوب سمجھ گیا ہوں، مجھے یقین ہے کہ تم نے جو کچھ لکھا ہے وہی ہوا ہے۔ تم خود وہاں جاؤ اور فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لو تم سردار مقرر کئے جاتے ہو"[لے] حجاج کے ہاتھوں یہ اہانت اگرچہ عبدالرحمٰن نے خاموشی سے برداشت کر لی لیکن اس کا بڑا غلط اثر پڑا اور ہمیں اس بات کے قیاس کرنے کی اولین مثال ملتی ہے کہ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک پیدا ہو گئے۔ تاہم تعلقات ابھی اتنے خراب نہیں ہوئے تھے کہ مداہنت و اغماض کے امکانات ختم کر دئے جائیں۔

لے تاریخ طبری ۔ جریر الطبری ج ۷ ص ۲۳۹

مگر طبری کی یہ روایت اگر ترتیب زمانہ کے اعتبار سے صحیح ہے تو خاصی اہمیت رکھتی ہے، وہ یہ کہ عبدالرحمٰن نے ۸۰ھ میں مہلب کو حجاج سے بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا تھا ہی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں اس سے استمداد بھی چاہی تھی۔ وہ خط جو مہلب کے پاس گیا اس نے حجاج کے پاس بھیج دیا۔[۱]

مگر یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حجاج اور عبدالرحمٰن کے تعلقات اتنے خراب ہو گئے تھے اور موخرالذکر کے حوصلوں کا علم ہو گیا تھا تو حجاج نے اتبیل کے خلاف ایک لشکرِ جرار کی سالاری اسے کیوں سپرد کی؟ یہ بات کہاں تک سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے درست تھی؟ اس کی قابلِ فہم تعبیر ایک یہ ہو سکتی ہے کہ حجاج جس فوج کو بھیج رہا تھا وہ کوفی و بصری سپاہیوں پر مشتمل تھی ایسی فوج کا قائد ایسے شخص کو ہونا چاہیئے جو ان کے لئے قابلِ قبول ہو اور جو اس مہم کو کامیابی سے انجام دے سکے دوسری مصلحت یہ ہو سکتی ہے کہ حجاج عبدالرحمٰن سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہو چنانچہ اس کے خیال میں اب یہ موقع آ گیا تھا کہ ایسی مہم پر اس کو روانہ کیا جائے جس میں عبیداللہ بن ابی بکرۃ جیسے بہادر ہلاک ہو چکے تھے[۲] تا کہ وہ طاقت ور حکمراں اتبیل سے ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے لیکن اگر ایسا نہ بھی ہو تو اس کی عدم موجودگی میں اس کے خلاف فضاء ہموار کرنے میں زیادہ آسانی ہو۔ اس طرح آئندہ وہ آسانی سے عبدالرحمٰن کو اپنی راہ سے ہٹا سکے اور پھر عراق میں اس کا کوئی حریف باقی نہ رہ جائے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اتبیل کے خلاف مہم آزمائی سے پہلے عبدالرحمٰن کہاں تھا۔ اس بارے میں اگر طبری کے بیان کو بنیاد بنا کر قیاس کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ اس وقت نہ کہیں کا عامل تھا نہ کسی اور ذمہ داری پر مامور بلکہ بے کاری کے دن گذار رہا تھا حجاج نے اس کو بلا کر فوج کی سرداری سونپی۔ جب اس کی اطلاع عبدالرحمٰن کے چچا کو ہوئی تو وہ حجاج کے پاس آیا اور اس کو اس کام سے منع کیا، کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ بغاوت کر بیٹھے گا کیوں کہ اس نے دریائے فرات کا پل پار کرنے

۱؎ تاریخ طبری — جریر الطبری — ج ۷ — ص ۳

۲؎ انساب الاشراف — بلاذری — ” ۱۱ — ص ۳۱۸

کے بعد پھر کسی حاکم کی اطاعت نہیں کی[۱]۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ اپنی استعداد و قابلیت پر پورا اعتماد رکھتا ہے، وہ کہا کرتا تھا "میں نے جب بھی کسی کو اپنے اوپر حاکم پایا تو مجھے خیال آیا کہ میں اس سے زیادہ مستحق ہوں"[۲]

عبدالرحمٰن کی فطرت وطبیعت کے بارے میں لکھتا ہے "وہ بڑا مغرور و متکبر شخص تھا"[۳] اسی کی یہ روایت بھی ہے کہ جوانی میں وہ غلط کاموں سے نہیں بچ سکا تھا، اس کی اس حرکت پر اور لوگوں کے ساتھ کردم الفزاری نے بھی گواہی دی تھی۔ ان لوگوں کو، جب عبدالرحمٰن سجستان کا والی ہوا اور یہ لوگ اس کی فوج میں تھے، سخت سزائیں دیں۔ عبدالرحمٰن کی خود پسندی اور اس کا غرور حجاج کی بے لوچ، متشدد طبیعت کے لئے ایک مستقل چیلنج بن گئی تھی، وہ اس سے بے حد حسد کرنے لگا تھا اور انتہا درجہ کی نفرت سے اس کو دیکھتا تھا وہ کہتا تھا "عراق میں عبدالرحمٰن سے زیادہ مبغوض کوئی اور نہیں چنانچہ وہ جب بھی پیدل یا سوار نظر آیا تو میں نے قتل کر دینا چاہا"[۴] ایک اور موقع پر عبدالرحمٰن حجاج کے پاس آیا ابھی کچھ فاصلہ پر تھا، حجاج نے دیکھا تو حاضرین کو مخاطب کر کے کہا "اس کی منحوس چال کو دیکھو، خدا کی قسم اس کی گردن مار دینے کو جی چاہتا ہے، جب وہ داخل ہوا اور سلام عرض کیا تو حجاج نے کہا بے شک تم بڑے خوش نما ہو عبدالرحمٰن نے جواب دیا خدا امیر کا بھلا کرے اور باخبر بھی ہوں"[۵] یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جب عبدالرحمٰن رتبیل کی مہم پر نہیں بھیجا گیا تھا۔ ان جملوں میں بغض وحسد کی جو آگ سلگتی ہے وہ صاف بتاتی ہے کہ آئندہ کسی وقت بھی شعلہ بن کر دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔

عبدالرحمٰن لشکرِ جرار لے کر رتبیل کی سرحدوں پر پہنچا جب اس کی اطلاع

---

۱ انساب الاشراف بلاذری ج ۱۱ ص ۳۲۰
طبری ج ۸ ص ۴۴
۲ " " " " ص ۳۱۸
۳ " " " " ص ۳۰۹
۴ " " " ص ۳۱۸
۵ " " " " ص ۳۱۹

انتبیل کو ہوئی تو وہ سمجھ گیا کہ اب عربوں سے مقابلہ مشکل ہوگا چنانچہ اس نے مصالحت کا پیغام بھیجا اور اپنی پچھلی کوتاہیوں پر معذرت کا اظہار کیا مگر عبدالرحمٰن نے اس کی معذرت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اپنی فوجوں کو یلغار کا حکم دے دیا۔ ان متعدد حملوں میں اس کو بڑی کامیابی ہوئی، بہت سا علاقہ مفتوح ہوا۔ اس وقت عبدالرحمٰن نے سوچا کہ آخری جنگ اس وقت موزوں نہیں بلکہ اسے مسلسل جنگوں کی آخری کڑی قرار دیا جانا چاہیئے۔ اس نے یہ پالیسی اختیار کی تھی کہ مسلمان جو بھی فتح کریں اس کا انتظام کرتے رہیں جوں جوں ان کے قدم جمتے جائیں اسی رفتار سے انھیں آگے بڑھنا چاہیئے ہر اعتبار سے یہ پالیسی موزوں تھی۔ اس لئے اس نے حجاج کو لکھ بھیجا کہ فتوحات کا انتظام انصرام ہونے کے بعد تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ وہ آگے بڑھے گا اس میں یہ مصلحت کارفرما ہے کہ مسلمان کوہستانی جنگ سے واقف ہو جائیں گے تاکہ یہ تجربہ آئندہ کام آئے[51] لیکن عبدالرحمٰن کی اس دور اندیشانہ جنگی پالیسی کو حجاج نے حکم عدولی پر محمول کیا جس کے نتیجے میں ایک تہدید و اہانت آمیز خط عبدالرحمٰن کو لکھا اس خط کا آغاز ان الفاظ سے کیا تھا "اے غدار و خائن کے بیٹے تیرا خط مجھے ملا اس سے پتہ چلتا ہے کہ تو صلح و دوستی کا ہاتھ ایک قلیل و ذلیل دشمن کی طرف بڑھانا چاہتا ہے" آخر میں اس کو حکم دیا تھا کہ جنگ مت بند کر ان کی زمین میں گھس جا ان کے قلعوں کو تباہ و برباد کر دے[52] اس خط سے عبدالرحمٰن کو بے حد صدمہ پہنچا ہوگا ایسا شخص جو مغرور اور خود بین ہو اس کے احساس حمیت کو مشتعل کر دینے کے لئے یہ کافی تھا، حجاج نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مزید دو خط مسلسل بھیجے، تیسرے خط میں اس نے لکھا تھا اگر تم اس حکم کی تعمیل نہ کر سکو تو فوج کا چارج اپنے بھائی اسحاق بن محمد کے حوالے کر دو[53]

---

[51] البدایۃ والنہایۃ	ابن کثیر	ج	۹	ص ۳۱ - ۳۲
[52] تاریخ طبری	جریر الطبری	ج	۸	ص ۸۰ - ۸۱
[53] انساب الاشراف	بلاذری	ج	۱۱	ص ۳۲۳ - ۳۲۴